تکبر کا انجام

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ. قَالَ رَجُلٌ: إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً. قَالَ: إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ. الْكِبَرُ بَطْرُ الْحَقِّ وَغَمَطُ النَّاسِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا۔ ایک آدمی نے پوچھا: آدمی اچھے کپڑے اور اچھے جوتے پسند کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ خوب صورت ہے اور خوب صورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کا انکار اور لوگوں کی تحقیر ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ خَرْدَلٍ مِّنْ إِيمَانٍ. وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبَرِيَاءٍ.

حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے، اور وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ.

حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہے۔

لغوی مباحث

’لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ‘: مراد ہے: وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس نے... اس طرح کے عمومی اسلوب کی متعدد مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ اس طرح کے اسلوب کو حتمی یا کلی معنی میں لینا درست نہیں ہے۔ یہ اسلوب شدت کے ساتھ متوجہ کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید سے واضح ہے کہ وہی تکبر باعث جہنم ہے جو حق کے انکار تک لے جانے کا باعث ہو۔

’بَطَرُ الْحَقِّ‘: ’بَطَرُ الْحَقِّ‘ سے مراد حق کی تضحیک اور اس کا ابطال ہے۔

’غَمَطُ النَّاسِ‘: ’غَمَطُ النَّاسِ‘ کا مطلب لوگوں کو حقیر یا کم تر سمجھنا ہے۔

’مِثْقَالُ حَبَّةٍ خَرْدَلٍ مِّنْ إِيْمَانٍ‘: ’خردل‘ ایک سیاہ دانہ ہے جو بہت باریک ہوتا ہے۔ ’مِثْقَالُ‘ کا لفظ مقدار بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ اس دانے کے برابر مقدار مراد ہے۔ یہ کسی شے کی قلیل ترین مقدار کو بیان کرنے کا ایک اسلوب ہے۔

’إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ‘: اللہ خوب صورت ہے۔ شارحین نے یہ بحث کی ہے کہ اللہ کے خوب صورت ہونے سے کیا مراد ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کا صفات حسن و کمال سے متصف ہونا مراد ہے یا اللہ تعالیٰ کا انسانوں کے ساتھ لطف و عنایات سے پیش آنا مراد ہے؟ روایت کے دروبست ہی سے واضح ہے کہ یہاں پہلا پہلو مراد ہے۔

اس روایت میں دو باتیں بیان ہوئی ہیں: ایک تکبر کا انجام اور دوسرے یہ تصریح کہ اچھا لباس پہننے میں تکبر نہیں ہے، بلکہ تکبر حق کے انکار اور لوگوں کی تحقیر میں ہے۔ تکبر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کی ذرہ برابر مقدار بھی آدمی کو جنت کا مستحق نہیں رہنے دیتی۔ سورہ اعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا
لَا تُفْتَحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ
الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ
وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ. (۴:۴۰)

”بے شک جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی
اور تکبر کی وجہ سے ان سے گریز کیا، ان کے لیے آسمان
کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت
میں داخل ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے
میں داخل ہو جائے۔ اور ہم مجرموں کو ایسی ہی جزا
دیتے ہیں۔“

اس آیت سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ تکبر کو جنت سے محرومی کی وعید کس وجہ سے دی جاتی ہے، یعنی جب تکبر تکذیب آیات پر منتج ہو۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حق سے گریز و انکار میں تکبر کو ایک بڑے محرک کی حیثیت حاصل ہے۔ تکبر اپنی اصل میں احساس برتری کا نام ہے، لیکن یہ مرض کی صورت اس وقت اختیار کر جاتا ہے، جب دوسرے انسان حقیر نظر آنے لگیں اور حق کا اثبات آدمی کو اپنی انا توڑنے کے مترادف لگنے لگے۔ قرآن مجید میں تکبر کا یہ پہلو کئی مواقع پر زیر بحث آیا ہے۔ ابلیس کا سجدہ کرنے سے انکار کا معاملہ بھی تکبر ہی کی وجہ سے پیش آیا۔ وہ انسان کے مقابلے میں اپنی برتری کے ایسے احساس میں مبتلا ہوا کہ کائنات کے مالک کا حکم نہ ماننے پر تل گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تکبر کا جو پہلو جنت سے محرومی پر منتج ہوتا ہے، وہ اس کا کفر تک لے جانا ہے۔ تکبر حقیقت میں دل کا مرض ہے۔ یہ اپنے بہتر یا بڑے ہونے کے تصور سے پیدا ہوتا اور بدرجہ آخر دوسروں کی تحقیر اور حق قبول کرنے کی استعداد سے محرومی پر لے جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حق کو قبول کرنا بندگی کو قبول کرنا ہے اور بندگی تکبر کی بالکل ضد ہے۔ بندگی اپنے محتاج ہونے کا اقرار ہے۔ بندگی خدا کی کبریائی کا اقرار ہے۔ بندگی سر جھکانے کا نام ہے۔ بندگی اعتراف خطا کا نام ہے۔ یہ سارے عمل تکبر کی صورت میں نہیں ہو سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تکبر خدا کی آیات کی تکذیب کرے گا۔ وہ عبادت سے گریزاں رہے گا۔ وہ اپنی انا کی وجہ سے دوسروں کے لیے باعث آزار بنا رہے گا۔ یہ سارے جرائم جنت سے دور لے جانے والے جرائم ہیں۔ یہ بات کہ ذرہ برابر تکبر بھی جنت سے محرومی کا سبب بنے گا، نتیجے کے اعتبار سے کہی گئی ہے اور پیش نظر تنبیہ ہے۔ اگر کوئی شخص جہنم سے بچنا چاہتا ہے تو اسے اپنے آپ کو تکبر سے بچانا ہے۔ تکبر

کا شائبہ بھی اگر اس کا علاج بروقت نہ ہو تو تکبر کے ان نتائج تک لے جائے گا جن سے ان روایات میں خبردار کیا گیا ہے۔

متکبر کے جنت میں نہ جانے کی وعید کی نوعیت ہمارے نزدیک یہی ہے، لیکن شارحین نے اس اشکال کو دو طرح سے حل کیا ہے: ایک یہ کہ تکبر والے لوگ تکبر کی صفائی کر کے جنت میں داخل کیے جائیں گے اور اس حوالے سے وہ قرآن مجید کی آیت وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غَلٍ، اور ان کے سینے کی ہر خلش ہم کھینچ لیں گے، (الاعراف ۷: ۴۳) سے استدلال بھی کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ صاحب تکبر بعد میں جنت میں جائے گا۔ ہم نے اس روایت کو تشبیہ اور انذار کے معنی میں لیا ہے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطرے کی نشان دہی کی ہے جو ذرہ برابر بھی تکبر کی موجودگی سے پیدا ہو سکتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت میں تکبر کی جو توضیح کی ہے، اس سے واضح ہے کہ یہ تکبر کا آخری درجہ ہے۔ ہر آدمی کے اندر اپنے بارے میں اچھی رائے ہوتی ہے، لیکن یہ اچھی رائے آگے بڑھ کر انا اور تکبر کی صورت بھی اختیار کر لیتی ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ جب لوگ حقیر لگنے لگیں اور حق کو قبول کرنے میں انا آڑے آنے لگے۔ ظاہر ہے اس طرح کا متکبران جرائم کا مرتکب ہونے سے بچ نہیں سکتا جو جہنم میں لے جانے کا باعث ہیں۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ یہ دونوں چیزیں تکبر کی گھناؤنی حالت کی علامت بھی ہیں اور نتیجہ بھی۔

تکبر کے حوالے سے ایک سوال بھی اس روایت میں بیان ہوا ہے۔ یہ سوال حضور سے بھی کیا گیا اور آج بھی لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہے۔ کیا اچھا لباس، اچھی خوراک، اچھی رہائش بھی تکبر ہی کا اظہار ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب نفی میں دیا ہے۔ یہ بات قرآن مجید میں بڑی وضاحت سے زیر بحث آئی ہے۔ سورہ اعراف ہی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”کہہ دو: اللہ کی زینت کس نے حرام ٹھہرائی ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی ہے، اور پاکیزہ رزق بھی۔ کہہ دو: یہ (نعمتیں) دنیوی زندگی میں اہل ایمان کے لیے ہی ہیں، اور قیامت کے روز صرف انھی کے لیے ہوں گی۔ ہم جاننے والوں کے لیے اسی طرح آیات کو واضح کرتے ہیں۔“

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نَفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ.

(الاعراف: ۷: ۳۲)

اس آیت میں اہل ایمان کے لیے نعمتوں اور زینتوں سے لطف اندوز ہونے کو جس زور اور شان سے بیان کیا گیا

ہے، اس سے ان تمام نظریات کی نفی ہو جاتی ہے جو ترک لذات کو دین داری کی معراج قرار دیتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں جس چیز کی مذمت ہوئی ہے، وہ دنیا پرستی ہے۔ بطن و فرج کی غلامی ہے۔ دین کے تقاضوں کے مقابلے میں دنیوی مفادات کو ترجیح دینا ہے۔ اچھا لباس پہننا اور چیز ہے اور اچھے لباس ہی کو اپنی ساری تگ و دو کا ہدف بنالینا اور چیز۔ پہلی چیز محمود ہے اور دوسری مذموم۔

اس روایت میں اللہ تعالیٰ کی طرف صفت جمال کی نسبت کی گئی ہے۔ شارحین نے اس نسبت دینے کو بھی موضوع بنایا ہے اور اس کے معنی پر بھی کلام کیا ہے۔ سوال یہ زیر بحث ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی صفت کی نسبت کی جا سکتی ہے جو قرآن میں بیان نہ ہوئی ہو۔ ہمارے نزدیک اس باب میں شارحین کی وہی وضاحت درست ہے جو انہوں نے سورہ اعراف (۷) کی آیت ۱۸۰ اَللّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی (تمام اچھے نام اللہ کے ہیں) کی روشنی میں کی ہے۔ 'تمام اچھے نام اللہ کے ہیں' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام صفات کمال سے متصف ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہر اس صفت کی نسبت درست ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کمالیت کو ظاہر کرتی ہے۔

دوسرا زیر بحث پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صاحب جمال ہونے سے کیا مراد ہے؟ کچھ شارحین نے اس سے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ رحمت و کرم کے برتاؤ کا پہلو مراد لیا ہے، لیکن اس روایت میں جس چیز پر استشہاد کیا گیا ہے، اس سے اس معنی کی مناسبت نہیں ہے۔ چنانچہ شارحین نے بالعموم اس معنی کو قبول نہیں کیا ہے۔ دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ جمیل یہاں مجمل کے معنی میں ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اشیا کو حسن بخشنے ہیں۔ یہ معنی بھی کھینچ تان کر ہی پیدا کیے گئے ہیں کہ لفظ جمیل کے معروف معنی کسی شے کے خود خوب صورت ہونے ہی کے ہیں۔ کسی بھی فعل یا صفت کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت اس میں خصوصی معنی پیدا کر دیتی ہے۔ شارحین کی مشکل یہ ہے کہ ذات باری کے بارے میں کوئی بات کیسے کہی جاسکتی ہے۔ یہ بات درست ہے، مگر وہ ذات جس نے اس کائنات کو جس طرح حسن بخشا ہے، یہ حسن خود اس کے صاحب جمال ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کائنات میں بکھری ہوئی نشانیوں ہی سے سمجھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے دونوں باتوں پر روشنی پڑتی ہے، اس پر بھی کہ وہ کیا پسند کرتا ہے اور اس پر بھی کہ وہ خود کیسا ہوگا۔

اوپر روایت میں ذرہ برابر ایمان کو بھی یقینی نجات کا ضامن قرار دیا گیا ہے۔ یہ بات قرآن مجید کے تقابل میں محل نظر دکھائی دیتی ہے، اس لیے کہ قرآن مجید اصرار کے ساتھ ایمان اور عمل صالح بہ یک وقت دونوں کو یقینی نجات کے لیے شرط ٹھہراتا ہے۔ قرآن مجید کی روشنی میں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وضاحت اس طرح کریں گے کہ

اس میں ایمان سے مراد وہ ایمان ہے جو محض قول کی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ ایک حقیقی فیصلے کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کا لازمی نتیجہ اعمال صالح ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب اس ایمان کا کوئی تصور نہیں رکھتے تھے جو بعد میں نسلی مسلمانوں میں اب ظاہر ہوا ہے کہ یہ محض نام کے مسلمان ہیں، ان کے اعمال پر اس اسلام کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا۔

متون

زیر بحث روایت کے تین متن امام مسلم نے اپنی کتاب کے لیے منتخب کیے ہیں: ایک متن میں ذرہ برابر تکبر کا انجام بیان ہوا ہے۔ دوسرے متن میں ذرہ برابر ایمان کا اجر بیان ہوا ہے۔ تیسرے متن میں دونوں جمع ہو گئے ہیں۔ اسی طرح ایک متن میں تکبر کی توضیح بھی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت جمال کے حوالے سے حسن و خوبی کو پسندیدہ بھی قرار دیا گیا ہے۔ کتب روایت میں اس روایت کے یہی متون الفاظ کے فرق کے ساتھ روایت کیے گئے ہیں۔ ایک اعتبار سے دیکھیں تو امام مسلم نے اختلاف متن کے تمام پہلو جمع کر دیے ہیں۔ باقی کتب روایت میں ایسا کوئی فرق روایت نہیں ہوا جو روایت کے معنی پر اثر انداز ہونا ہو یا اس کے کسی پہلو کو سمجھنے میں مددگار ہو۔

بعض روایات میں انجام بیان کرنے کے لیے 'أَكْبَهُ اللَّهُ عَلَى وَجْهِهِ فِي النَّارِ' یا 'مَا مِنْ رَجُلٍ ... تَحَلَّ لَه الْجَنَّةُ أَنْ يَرِيحَ رِيحَهَا وَلَا يَرَاهَا' کی تعبیرات اختیار کی گئی ہیں۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو وصیت کا ذکر کیا تھا جس میں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یہ بات بھی بتائی تھی۔

آدمی کی پسند کا ذکر بالعموم اسی انداز میں ہوا ہے، جس طرح امام مسلم کی روایت میں درج ہے، لیکن بعض روایات میں ذرا تفصیلی انداز بیان بھی منقول ہے۔ ایک روایت میں مثال کے طور پر یہ بات ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے: 'إِنِّي لِيَعْبَجُنِي أَنْ يَكُونَ ثَوْبِي غَسِيلاً، وَأَسَى دَهِيْنًا، وَشِرَاكُ نَعْلِي جَدِيْدًا، وَذَكَرَ أَشْيَاءَ حَتَّى ذَكَرَ عِلَاقَةَ سَوْطِهِ'۔ ایک اور روایت میں اسی بات کے لیے یہ مثالیں بیان کی گئی ہیں: 'إِنِّي أَحِبُّ أَنْ أَتَجَمَّلَ بِنِقَاءِ ثَوْبِي، وَبَطْيِبِ طَعَامِي، وَبِحَسَنِ مَرْكَبِي'۔

تکبر کی وضاحت میں امام مسلم کی روایت میں 'بَطْرُ الْحَقِّ' اور 'غَمَطُ النَّاسِ' کی تعبیرات اختیار کی گئی ہیں۔ دوسری روایت میں 'بَطْرُ' کے لیے 'سَفْه' کا لفظ آیا ہے۔ اسی طرح 'غَمَطُ' کی جگہ اسی کا مترادف 'غَمَصُ' یا 'ازدراء' آیا ہے۔ بعض روایات میں یہ تصریح بھی آئی ہے کہ وہ شخص متکبر نہیں ہو سکتا جو غریبوں کے ساتھ بیٹھ جاتا ہو۔ گدھے

پرسواری کر لیتا ہو اور بکری کا دودھ پی لیتا ہو۔

کتابیات

مسلم، رقم ۹۱؛ ترمذی، رقم ۱۹۹۸، ۱۹۹۹؛ ابوداؤد، رقم ۴۰۹۱؛ ابن ماجہ، رقم ۵۹، ۴۱۷۳؛ ابن ابی شیبہ، رقم ۲۶۵۷۸، ۲۶۵۸۰، ۲۶۵۸۱؛ احمد، رقم ۳۷۸۹، ۳۹۱۳، ۳۹۴۷، ۴۳۱۰، ۶۵۲۶، ۷۰۱۵، ۷۰۱۷، ۷۰۱۸؛ مسند عبد بن حمید، رقم ۱۱۵۱؛ التواضع والنحول، رقم ۱۹۲، ۱۹۶، ۲۱۸؛ الآحاد والمثانی، رقم ۲۸۲۱؛ مسند ابویعلیٰ، رقم ۵۰۱۳، ۵۰۶۵، ۵۰۶۶، ۵۲۸۹، ۵۳۳۰؛ ابن حبان، رقم ۲۲۴، ۵۴۶۶، ۵۶۸۰؛ مسند شامیین، رقم ۶۲، ۷۵؛ المعجم الکبیر، رقم ۶۶۶۸، ۱۰۰۰۰، ۱۰۵۳۳؛ مستدرک، رقم ۶۹، ۵۷۷۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com